آصف جاوید سکندر۔کراچی

نوجوان نسل کو اسلام کے قریب کیسے لایا جائے

ہر فرد کے بچپن کے زمانے کی مثال نہایت لچکدار ٹہنی جیسی ہوتی ہے۔

نوجوان نسل قوم کے مستقبل کی امین ہوا کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر قوم نئی نسل کی تعمیر کو اول ترجیح دیتی ہے۔ کسی فرد کے بچپن کے زمانے کی مثال ہری ٹہنی جیسی ہوتی ہے۔ جو نہایت لچکدار ہو' اسے جس طرف موڑنا چاہیں مڑ جائےگی۔

جوانی کے آغاز میں ایک نوجوان' زندگی کی بہت سی اچھی بری راہیں اپنے سامنے کھلی پاتا ہے اور اسے ان راہوں میں سے کسی راہ کا انتخاب کرنا ہوتا ہے۔ اس انتخاب کے وقت اس کی گزشتہ تربیت اہم کردار ادا کرتی ہے۔ اگر وہ ایک اچھی راہ منتخب کرتا ہے تو قوم کو ایک اچھا معمار مل جاتا ہے اور اگر وہ بری راہ اختیار کر لیتا ہے تو نہ صرف یہ کہ اپنی عاقبت بگاڑ بیٹھتا ہے اور ماں باپ کے لئے وجہ عار بن جاتا ہے بلکہ اس کی وجہ سے معاشرے کو بھی پریشانی کا بوجھ اٹھانا پڑتا ہے۔

جوانی کا زمانہ کسی فرد کی زندگی میں کتنی اہمیت رکھتا ہے اس کا اندازہ اس حدیث سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''قیامت میں آدمی کے قدم اس وقت تک اپنی جگہ سے نہیں ہٹ سکتے۔ جب تک چار سوال نہ کر لئے جائیں۔ (۱) عمر کس مشغلہ میں ختم کی' (۲) جوانی کس کام میں خرچ کی (۳) مال کہاں سے کمایا اور کس مصرف میں خرچ کیا (۴) اپنے علم پر کتنا عمل کیا۔'' (ترغیب عن البیہقی وغیرہ)

اس حدیث میں قابل غور بات یہ ہے کہ پہلا سوال جو پوری عمر کے بارے میں ہے اس کی موجودگی میں دوسرا پوچھا جا رہا ہے جو خاص جوانی کے بارے میں ہے حالانکہ پوری زندگی میں جوانی کا زمانہ شامل ہے۔ لہٰذا جوانی کے بارے میں علیحدہ سوال کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ مگر یہ عہد شباب کی اہمیت و خصوصیت ہے کہ اس کے بارے میں خصوصی پوچھ گچھ کی جائے گی۔ جواں عمری کی اسی اہمیت کے پیش نظر شاعر حق شناس نے کہا کہ ۔

در جوانی توبہ کردن شیوہ پیغمبری

اسی تناظر میں جب ہم جوان نسل کو دیکھتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ جوانوں کا ایک طبقہ تیزی سے دین و مذہب کی طرف بڑھ رہا ہے اور دوسرا طبقہ سرعت سے نفس و شیطان کے راستے پر دوڑا چلا جا رہا ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اول الذکر طبقے کو فکر و عمل کی صحیح سمت دکھانے اور موخر الذکر طبقے کو دین اسلام کی جانب راغب کرنے کیلئے کیا کیا جائے ؟

> **صحیح اسلامی ماحول نہ ہونے کی وجہ سے اسلامی طرز زندگی اور اسلامی معاشرت اختیار کرنے والا اپنے آپ کو کمتر تصور کرتا ہے اور اسلامی آداب اختیار کرتے ہوئے اسے شرم اور ہچکچاہٹ محسوس ہوتی ہے۔**

اس سوال کے جواب تک پہنچنے کے لئے نوجوانوں کے اذہان میں جھانکنا ہوگا' ان کی الجھنوں کا جائزہ لینا ہوگا' ان کے اندیشوں کا تجزیہ کرنا ہوگا۔ ان کے رویئے کی مکمل تشخیص کے بعد ہی طریقہ اصلاح کے بارے میں سوچا جا سکتا ہے۔ نئی نسل پر تشخیص نگاہ ڈالنے سے درج ذیل نکات سامنے آتے ہیں۔

(۱) آج ہمارے دور کا دین و مذہب سے

برگشتہ نوجوان سب سے زیادہ تعصب اور فرقہ پرستی سے متاثر دکھائی دیتا ہے۔ فرقوں کی موجودہ رسہ کشی کی بدولت اس کے لئے دین کے رستے مسدود ہو گئے ہیں۔ چنانچہ آج اس کے پاس نہ دین کی سمجھ ہے اور نہ ہی دین کے مطابق اس کا عمل ہے۔

(۲) بدقسمتی سے ہمارے نوجوان کو ایسا نظام تعلیم بھی میسر نہیں آیا جو اسے دین سے مکمل طور پر متعارف کرا سکتا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود وہ دین سے اجنبی رہا۔ کتنی عجیب بات ہے کہ وہ تعلیم یافتہ تو ہے مگر اس دین سے بے بہرہ ہے جو اس کی حقیقی فلاح کا ضامن ہے۔

> آغاز جوانی پر نوجوان کے سامنے بہت سی راہیں کھلی ہوتی ہیں۔ راہوں کے انتخاب پر اسکی گذشتہ تربیت اہم کردار ادا کرتی ہے۔ نوجوان نے اگر اچھی راہ منتخب کی تو قوم کو ایک اچھا معمار مل جاتا ہے اگر بری راہ اختیار کی تو قوم کا واسطہ ایک برے معمار سے پڑتا ہے جو نہ صرف اپنی عاقبت بگاڑتا ہے بلکہ ماں باپ کے لئے وجہ عار بھی بنتا ہے۔

(۳) نوجوانوں کی دین سے دوری کا تیسرا سبب اسلامی ماحول کی عدم موجودگی ہے۔ صحیح اسلامی ماحول نہ ہونے کی وجہ سے اسلامی طرز زندگی اور اسلامی معاشرت اختیار کرنے والا اپنے آپ کو کمتر تصور کرتا ہے اور اسلامی آداب اختیار کرتے ہوئے اسے شرم اور ہچکچاہٹ محسوس ہوتی ہے۔ اس شرم و ہچکچاہٹ کی وجہ ماحول کے علاوہ کچھ اور نہیں۔ ایک وہ ماحول تھا کہ دوپٹہ سر سے اترتا تو شرم آتی تھی آج یہ ماحول ہے کہ دوپٹہ سر پر رکھنے سے لڑکیوں اور عورتوں کو شرم آتی ہے۔

(۴) دین و مذہب کی طرف غیر مائل نوجوان کا چوتھا مسئلہ سیکولر تنظیموں کی اثر پذیری ہے۔ یہ تنظیمیں کچھ اس طرح ایک نوجوان کو اپنے دام میں گرفتار کر لیتی ہیں کہ وہ گھر کا رہتا ہے نہ گھاٹ کا، نہ دنیا کا رہتا ہے نہ دین کا' اس راہ پر چلتے چلتے ایک ایسا مقام آتا ہے کہ وہ تنظیم اسے اپنی جان سے زیادہ عزیز ہو جاتی ہے۔ تنظیم میں اتنا مگن ہوتا ہے کہ اس کے پاس نہ تو دین کیلئے کوئی وقت ہوتا ہے نہ ہی اس کے دل میں دین کی اہمیت ہوتی ہے۔

(۵) ہمارے دور کی پانچویں آزمائش وہ نفس پرستی ہے جو تفریحی ابلاغ کی دین ہے۔ جس نے شوبزنس کی مقبولیت کو وسیع تر کر دیا ہے چنانچہ آج کا نوجوان دین کا عالم' دین کا عامل اور دین کا داعی بننے کے بجائے سپر اسٹارز کا پرستار یا خود ایک اسٹار بننے کا امید وار ہونا پسند کرتا ہے۔

(۶) رغبت دین کے رستے میں چھٹی رکاوٹ مفاد عاجلہ کے حصول کا بڑھتا ہوا رجحان ہے۔ مفاد عاجلہ جسے عرف عام میں دنیا کہا جاتا ہے ایک ایسی چیز ہے جس کی محبت انسان کو مفاد اخروی یعنی فکر آخرت سے غافل کر دیتی ہے۔ دنیا کی محبت' ہوس کی اس جنم کا پیش خیمہ ہوتی ہے جس کا پیٹ کبھی نہیں بھرتا۔ چنانچہ آخرت سے غافل اور حب دنیا میں گرفتار نوجوان' حصول دنیا کی دوڑ میں آگے بڑھتا چلا جاتا ہے اور بہت کچھ پانے کے باوجود مزید بہت کچھ حاصل کرنے کی تمنا میں مبتلا رہتا ہے اور ضرورت سے زائد اسباب دنیا اپنے گرد جمع کرتا رہتا ہے۔ عمر گزرنے کے ساتھ ساتھ ہوس کا یہ الاؤ بجھتا نہیں بلکہ مزید بھڑکتا ہے۔ چنانچہ ہوس کے ہاتھوں مجبور شخص اپنی جمع کردہ دولت کے اندر اس ریشم کے کیڑے کی طرح مر جاتا ہے جو بہت سارا ریشم اپنے گرد جمع کر لے اور پھر اپنے ہی پیدا کردہ ریشم کے اندر دم گھٹ کر مر جائے۔

مذکورہ حقائق کے علاوہ شرح خواندگی کی موجودہ صورت حال' سہل انگاری' قرآنی اقدار کے مقابلے میں خود ساختہ اقدار کی پیروی' معاشی استحصال اور معاشرتی ناانصافیاں ایسے عوامل ہیں جنہوں نے نئی نسل کو دین و مذہب سے دور کر کے ان کے اندر منفی رجحانات کو پروان چڑھایا ہے۔ دیندار طبقے کی عدم توجہی بھی اس کا ایک سبب ہے۔

درج بالا اسباب کی وجہ سے ہمارے نوجوان دین اسلام سے دن بدن دور ہوتے جا رہے ہیں۔ اگر اس دوری کو قربت میں تبدیل کرنا ہے تو بنیادی طور پر ہمیں دو کام کرنے ہوں گے۔

(۱) مذکورہ اسباب کا سدباب کر کے جواں ذہن پر موجود منفی اثرات کا خاتمہ۔

(۲) دین و مذہب کا حقیقی تعارف اور دعوت و فکر و عمل

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ کام کون کرے گا۔ اس سوال کا سیدھا سادھا اور

نوجوانوں کا ایک طبقہ تیزی سے دین ومذہب کی طرف بڑھ رہا ہے۔ جبکہ دوسرا طبقہ سرعت سے نفس وشیطان کے راستے پر دوڑا چلا جارہا ہے۔

آسانی سے سمجھ میں آنے والا جواب یہ ہے کہ کوئی ایک طبقہ اس کام کے لئے کافی نہیں بلکہ درج ذیل طبقوں کو مل کر یہ کام کرنا ہوگا۔

اول : حاکم

دوم : طبقہ علماء

سوم : عوام الناس میں سے دین دار لوگ

حاکم طبقہ

اس کام میں کچھ حصہ خالصتاً حکومتی سطح کا ہے جو محکمہ تعلیم، محکمہ اطلاعات ونشریات اور قانون سازی کے ذریعے ممکن ہو سکتا ہے۔

طبقہ علماء

اس ضمن میں یہ طبقہ خصوصی ذمہ داری کا حامل ہے۔ فرقہ ورانہ تعصب کی بیخ کنی، فکر آخرت کی ترویج اور دین اسلام کے حقیقی تعارف کی اشاعت علماء کرام موثر انداز میں کر سکتے ہیں۔ قوم کا کثیر حصہ ہر ماہ چار پانچ مرتبہ جمعہ کا خطبہ سننے کے لئے علماء کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے۔ اگر جمعہ کے دن ہر منبر سے مثبت اور عملی موضوعات پر خطاب کیا جائے تو سامعین نہ صرف یہ کہ خود متاثر ہوں گے بلکہ ہفتہ بھر اپنی نجی محفلوں میں بھی گاہے گاہے اس کا تذکرہ کریں گے اور دوسروں کے لئے ہدایت اور دعوت کا ذریعہ بنیں گے۔ ہر وہ عالم، خطیب یا امام جو کسی مسجد میں جمعہ کے خطاب کے لئے مقرر ہے، اپنے معاشرے پر گہری نظر رکھے، وہاں موجود اخلاقی، سماجی، معاشی امراض کا مکمل مطالعہ کرے اور ہر خطبے سے پہلے تمام پہلوؤں کا جائزہ لے کر لوگوں کے سامنے خطبے کی شکل میں ان امراض کی جامع تشخیص اور علاج رکھ دے۔ خطاب کا مقصد نہ تو زبان کے چٹخارے اور کانوں کی عیاشی ہو اور نہ ہی اس کا مقصد کسی گروہ کو کھری کھری سنانا ہو بلکہ خطاب جمعہ کا مقصد صرف اور صرف حاضرین کی اصلاح و فلاح ہو۔ اس امر کو یقینی بنانے کے لئے تربیت ائمہ کی اشد ضرورت ہے جو حقیقتاً تو حکومت کا کام ہے۔ تاہم دیگر ادارے بھی یہ کام کر سکتے ہیں۔

عوامی دیندار طبقہ

عوام میں ایک بڑا طبقہ جو اللہ کے فضل و کرم سے دین کی طرف راغب ہے اور حتی المقدور دین پر عمل پیرا بھی ہے اس میں بھی ایک خامی ہے یعنی یہ طبقہ دعوت سے عاری ہے۔ یہ طبقہ دوسروں کی اصلاح کی ذمہ داری محسوس نہیں کرتا بلکہ یہ سمجھتا ہے کہ جب ہم اپنی ذات کے اعتبار سے نیک اور صالح بن گئے تو ہماری کامیابی کے لئے یہی کافی ہے۔ حالانکہ یہ بہت بڑی بھول ہے۔ اگر قرآن، حدیث اور عقیدہ ختم نبوت کو سامنے رکھ کر غور کیا جائے تو یہ بھول رفع ہو سکتی ہے۔ ہم سورۃ عصر کا مطالعہ کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کا قسمیہ ارشاد ہمارے سامنے آتا ہے کہ بے شک انسان خسارے میں ہے صرف وہ لوگ اس خسارے سے بچے ہوئے ہیں جو ایمان لائے نیک عمل کرتے رہے آپس میں ایک دوسرے کو حق بات کی تاکید اور صبر کی تلقین کرتے رہے۔" معلوم ہوا کہ مکمل کامیابی کے لئے اپنی ذات کے اعتبار سے نیک بن جانا کافی نہیں بلکہ دوسروں کو تلقین بھی ضروری ہے اور تلقین بھی صبر و ہمت کے ساتھ۔ البتہ ایک مصلح کی انتہائی کوشش کے باوجود لوگ یا معاشرہ نہ سدھرے تو یہ ناکامی اصلاح کرنے والے کی فلاح پر اثر انداز نہ ہوگی بلکہ نتائج سے قطع نظر اس کی ہر کاوش اسی کے لئے رفع درجات کا باعث بنے گی۔ قیامت کے دن ہم دیکھیں گے کہ بہت سے انبیاءؑ کے ساتھ ان کا ایک بھی ماننے والا نہ ہوگا تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ایسا نبی ناکام ہو گیا بلکہ ہر نبی کامیاب ہے کیونکہ اس نے نبوت یعنی پیغام رسانی کا حق ادا کر دیا تھا۔ ناکام وہ ہوئے جنہوں نے وقت کے نبی کی بات کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

سورہ عصر کے علاوہ قرآن میں اصحاب سبت کا واقعہ بھی ہمارے غیر داعی دیندار طبقے کے لئے عبرت کا باعث ہے۔ جب اہل کتاب کو ہفتے کے دن شکار سے منع کیا گیا تو ان میں تین گروہ بن گئے تھے ایک وہ جنہوں نے حکم عدول کی، دوسرا وہ جس نے حکم کی تعمیل کی مگر حکم عدولی کرنے والوں کو سمجھانے کی کوشش

نوجوان دین اسلام سے دن بدن دور ہوتے جارہے ہیں اگر اس دوری کو قربت میں بدلنا ہے تو ہمیں دین ومذہب کا حقیقی تعارف اور دعوت فکرو عمل کے ساتھ ان کے ذہنوں پر موجود منفی اثرات کا خاتمہ کرنا ہوگا۔

نہیں کی اور تیسرا گروہ وہ جس نے ہفتے کو خود بھی شکار نہیں کیا اور شکار کرنے والوں کو منع بھی کرتا رہا۔ پھر جب اللہ کا عذاب نازل ہوا تو اول الذکر دونوں گروہ بندر بن گئے اور صرف تیسرا گروہ عذاب سے محفوظ رہا۔

ہمارے دور کے دیندار افراد جو دعوت کی اہمیت سے نا آشنا ہیں' اصحاب السبت کے واقعہ پر غور کریں اور اپنی ذمہ داری محسوس کریں اور دیکھیں کہ قرآن نے جگہ جگہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر کتنا زور دیا ہے۔ اس امت کے خیر الامت ہونے کی وجہ قرآن نے یہی بتائی ہے کہ یہ امت نیکی کا حکم دے گی اور برائی سے منع کرے گی۔ دوسری جگہ ارشاد ہے کہ اس سے بہتر کس کی بات ہو سکتی ہے جو لوگوں کو اللہ کی طرف بلائے۔ اس ضمن میں سورۃ یوسف کی اس آیت کریمہ میں حضور اکرم ﷺ کو ارشاد فرما رہے ہیں کہ آپ کہہ دیجئے یہ میرا راستہ ہے یعنی لوگوں کو اللہ کی طرف بلانا بصیرت کے ساتھ۔ میرا بھی یہ کام ہے اور میری اتباع کرنے والوں کا بھی یہی کام ہے۔ (سورہ یوسف)

اس آیت کی روشنی میں ہر وہ شخص غور کرے جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ حضور ﷺ کا اتباع کرنے والا ہے۔ اگر وہ واقعتاً متبع رسول ہے تو اس کو وہی کام کرنا ہوگا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرتے رہے یعنی دعوت الی اللہ۔

صحابہ کرامؓ نے اس ذمہ داری کو محسوس کیا اور یہ پیغام لے کر پوری دنیا میں پھیل گئے۔ یہ بات نہایت قابل توجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو پوری دنیا کے لئے نبی بنا کر بھیجے گئے تھے۔ یعنی علاقہ اتنا وسیع کہ جہاں جہاں سورج طلوع ہوتا ہے وہاں وہاں کے لئے آپؐ نبی ہیں اور زمانہ اتنا طویل کہ قیامت تک آنے والے ہر شخص کے نبی بھی آپؐ ہی ہیں۔ مگر دوسری طرف یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اعلان نبوت کے بعد آپؐ حجاز سے باہر تشریف نہیں لے گئے اور صرف ۲۳ برس دنیا میں رہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خدا کے آخری پیغام کو دنیا کے کونے کونے تک پہنچانے کی ذمہ داری تنہا حضور اکرمؐ پر ہی نہ تھی بلکہ آپؐ کی رسالت کا اقرار اور ختم نبوت پر ایمان رکھنے والے ہر مسلمان کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ قیامت تک زمین پر آنے والے ہر انسان تک پیغام نبوت پہنچائے۔

ہوس کے ہاتھوں مجبور شخص اپنی جمع کردہ دولت کے اندر اس ریشم کے کیڑے کی طرح مرجاتا ہے جو بہت سارا ریشم اپنے گرد جمع کرلے اور پھر اپنے ہی پیدا کردہ ریشم کے اندر دم گھٹ کر مرجائے۔

اسی حوالے سے اگر ہمارا دیندار طبقہ پوری دنیا کی ذمہ داری اپنے کاندھوں پر محسوس کرتے ہوئے کم از کم اپنے معاشرے اور گرد و پیش میں حکمت وبصیرت کے ساتھ دعوت کا کام کرے اور لوگوں کو دین کا عامل بنائے اور دینداروں کو دین کا داعی بننے کی ترغیب دے تو اس طرح دیئے سے دیا جلانے کی رفتار کو تیز کیا جاسکتا ہے۔

ایک اہم نکتے کی وضاحت بھی ضروری ہے۔ اس نکتے کا تعلق معاشرے میں موجود ہر چھوٹی بڑی برائی کے ذمہ دار عناصر سے ہے جن کی تعداد چار ہے:

(۱) وہ فرد یا افراد جو اس برائی میں براہ راست ملوث ہیں۔

(۲) رائج الوقت نظام **(System)**

(۳) وہ لوگ جو رائج نظام کو چلانے کے ذمہ دار ہیں۔

(۴) میں اور آپ جو جانتے ہیں کہ برائی ہو رہی ہے۔

برائی میں ملوث افراد کے علاوہ نظام کا ذمہ دار اس لئے ٹھہرایا گیا ہے کہ بعض نظام ایسے ہوتے ہیں جو برائی کے خاتمے اور روک تھام کے لئے کچھ نہیں کرتے۔ کسی نظام میں اگر ایسی کوئی ایک بھی خصوصیت پائی جائے تو وہ نظام برائی کا ذمہ دار ہے اور اس کی اصلاح معاشرے کے تمام افراد کی ذمہ داری ہے اور اگر نظام میں ایسی کوئی منفی خصوصیت موجود نہیں یعنی نظام فی نفسہ برا نہیں ہے مگر معاشرے میں برائی موجود ہے تو دیکھنا ہوگا کہ اس کی وجہ وہ لوگ تو نہیں جنہیں اس کام کا ذمہ دار بنایا گیا ہے کہ وہ نظام کو صحیح طریقے سے چلائیں اور دیکھیں کہ کوئی فرد اس کی خلاف ورزی تو نہیں کر رہا۔ دراصل ایسے ذمہ دار حضرات کی نااہلیت یا مفاد پرستانہ غفلت ایک اچھے نظام کے باوجود معاشرے میں برائی کے تحفظ اور فروغ کا باعث بنتی ہے۔

برائی کے وجود کا سبب بننے والے ان تین عناصر کے بعد اب آیئے چوتھے عنصر کی جانب یعنی عام لوگ جو خود تو برے نہیں مگر برائی کی موجودگی کا علم رکھنے کے باوجود خاموش تماشائی بنے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ بھی برائی کے ذمہ دار ٹھہرائے جائیں گے بشرطیکہ انہوں نے

بقیہ صفحہ نمبر ۳۲